© rasailojaraid.com

شبیر احمد خان غوری

تاریخ فلسفہ میں

شیخ بُو علی سینا کا مقام

چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے۔ کہنہ رسم روزگار یہی ہے۔ ہر متاخر نے اپنے پیش رووں سے کسب فیض کیا ہے اور پھر اپنی کاوش و تحقیق سے آنے والوں کو فیض یاب کیا ہے۔ اسی افادہ و استفادہ سے علم و حکمت کی ثروت میں بیش بہا اضافے ہوتے رہے ہیں۔ فکر انسانی کا دھارا ایک "سلسلۃ الذہب" ہے۔

اور اس "سلسلۃ الذہب" کا "واسطۃ العقد" شیخ بوعلی سینا ہے

اگر ارسطو "معلم اوّل" تھا تو "معلم ثانی" کہلانے کا مستحق ابن سینا ہے۔ یہ تاریخ کی عجلت پسندی تھی کہ اس نے یہ لقب فارابی کو بخش دیا، ورنہ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے، اس کی حیثیت ارسطاطالیس کے "سب سے ہونہار شاگرد" سے زیادہ نہ تھی[1]۔ اس کے برخلاف شیخ اس فکری نظام کا واضع ہے جو آج کے دن تک "اسلامی فلسفہ" کے نام سے مشرق کی درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ اور جس نے قرون وسطیٰ کے اندر یورپی فلسفہ کی تشکیل میں بھی نمایاں حصّہ لیا تھا۔

ایک ایسا عظیم المرتبت حکیم بجا طور پر اس کاوش و تحقیق کا مستحق ہے کہ اس کی عبقریت میں کن کن عوامل نے حصّہ لیا۔

---

[1] "وسئل ابونصر من اعلم انت اوارسطو۔ فقال لوادرکتہ لکنت اکبر تلامیذہ ویذکر عنہ انہ قال قراءت السماع لارسطو اربعین مرۃ واری انی محتاج الی معاودتہ"۔ (ابن ابی اصیبعہ: طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۳۶)

فارابی سے پوچھا گیا آپ زیادہ عالم ہیں یا ارسطو تو اس نے کہا، اگر میں اس کا زمانہ پاتا تو اس کا سب سے بڑا شاگرد ہوتا۔ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے ارسطو کی "سماع طبیعی" کو چالیس مرتبہ پڑھا ہے اور اب بھی اس کے پڑھنے کا محتاج ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) فلسفہ تاریخ سے پہلے

فلسفہ کا آغاز

فلسفہ انسانی فکر کی تنظیم کا نام ہے[۱] لہٰذا اتنا ہی قدیم ہے، جتنا انسان کا ملکہ غور و فکر۔ اس لئے اس کی ابتدا کا تعین نہ کسی خاص عہد میں قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی خاص ملک میں۔ البتہ رسمی فلسفہ کا آغاز یونان میں ہوا اور اس کی بنیاد رائج الوقت دیومالا پر رکھی گئی[۲]۔ یونانی دیومالا کا مرکزی نقطۂ بحث یہ تھا کہ دیوتاؤں میں سب سے قدیم دیوتا کون ہے، جس سے اور دیوتا پیدا ہوئے۔ دیومالا کی تقلید میں فلسفہ نے اس سوال کے حل پر توجہ مرکوز کی کہ عناصر کائنات میں سب سے قدیم اور بنیادی عنصر کون ہے جو بقیہ عناصر کی اصل ہے۔ اس لئے قدیم فلاسفۂ یونان کی تفکیری سرگرمیوں کا محور "مبدء اوّلین کائنات"

---

[۱] چنانچہ پیٹرک جیمز کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

1. "When it (reflected thought) becomes serious, sustained and logical, and directed towards questions of life and values, it becomes philosophy."

(Partick : Introduction to Philosophy, P. 8)

اسی طرح کننگھم کہتا ہے کہ فلسفہ تفکیری زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور ہر انسان ایک حد تک فلسفی ہوتا ہے

2. "Philosophy, thus, grows directly out of life and its needs. Every one who lives, if he lives at all reflectively, is in some degree a philosopher."

(Cunningham : Problems of Philosophy, P. 5)

اس لئے تفلسف بدو آفرینش سے انسان کے ساتھ موجود رہا ہے۔

3. "Theogonies, though not philosophy, are a preparation for philosophy. Already in the mythological notions, there is present a germ of philosophical thought Philosophy arises when fancy is superseded by reason."

(Thilly : History of Philosophy, P. 10)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تلاش رہا ہے۔

اسی کاوش کے تسلسل یا ردِّ عمل کی داستان، یونانی فلسفہ کی ہزار سالہ تاریخ ہے۔ جسے چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

یونانی فلسفہ اور اس کے ادوار اربعہ

۱۔ قبل سقراطی دور :۔ اس دور کا مفتتح بلکہ یونانی فلسفہ و حکمت کا موسس و بانی ثالیس (Thalse) تھا، جو کائنات کی اصل پانی کو بتاتا تھا۔ اس کا شاگرد انکسمنڈر (Anaximander) مادۂ غیر مشخص کو اور آخر الذکر کا شاگرد انکیمینس (Anaximenes) ہوا کو مبدءِ اوّلین قرار دیتے تھے۔ اس سے حدوث و تکوین کا مسئلہ پیدا ہوا: اگر کائنات کی اصل واحد ہے تو اس سے مختلف اشیاء کس طرح پیدا ہوئیں، یعنی اگر وجود واحد ہے تو اس سے "وجودات کثیرہ" کی تکوین کس طرح ہوئی۔ ایلیائی (Eleatic) فلاسفہ نے اس کا جواب حدوث و تغیر کے انکار سے دیا۔ اس کے برعکس ابراقلیطس (Heraclitus) نے کہا کہ تغیر ہی سب کچھ ہے اور اس لئے آگ کو مبدءِ اوّلین کائنات قرار دیا۔ آخر دور میں اس مسئلہ کو "مبادی اولیہ" کی کثرت سے حل کیا گیا: امبدوقلیس (Empedocles) نے "عناصر اربعہ" کو اصل کائنات بتایا۔ دیمقراطیس (Democtritus) نے "اجزاء لایتجزیٰ" (سالمات یا اجزاء دیمقراطیسی) کو اور انکساغوراس (Anaxagoras) نے "جراثیم" کو۔

---

4. "Following the example of theology, philosophy begins to ask herself the question, what is the primitive element, the one that precedes the others in dignity and in time, and from which consequently the others have been generated ? The theogonies becomes cosmogonies, and the only important question concerning which the first thinkers differ is the question as to wh[illegible] constitutes the primordial natural force, the principle."

(Weber : History of Philosophy. P.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر یہ تکوین کیوں اور کس طرح ہوئی؟ امبدوقلیس نے اس معما کو محبت اور نفرت کے دو اصولوں سے حل کرنے کی کوشش کی اور دیمقراطیس نے "وجوب مطلق" (Tyche) سے۔ لیکن انکسا غوراس نے قبل سقراطی دَور میں پہلی مرتبہ اس گتھی کو "نوس" (Nous) کے تصوّر سے سلجھایا جو خلاق علیم وحکیم اور رب العالمین کے تقریباً مترادف تھا۵ اور اس طرح یونانی فلسفہ اپنی جارحانہ "خدا انکاری" کے باوجود "ایمان باللہ" کے لئے مجبور ہوا۔

مشرقی یونان کے ان کلمائے طبیعین نے کائنات کی اصل مادی مبادی ہی میں تلاش کی۔ لیکن دُور مغرب میں فیثاغورث نے اسے "مجردات" میں ڈھونڈا۔ اس کے نزدیک "عدد" ہی کائنات کی اصل ہے۔

مگر حکمائے قدیم کی اس ادعائیت نے ذہن انسانی کی اس صلاحیّت ہی کو ماؤف کر دیا جو ادراک حقائق کی اہل ہے۔ اس لئے اس "تحکمیت" (Dogmatism) نے فطری طور پر سوفسطائیہ کی "ارتیابیت" (Scepticism) کو جنم دیا۔ نتیجہ میں بعض مفکرّین جیسے گورگیاس (Gorgias) نے حقائق کا سرے ہی سے انکار کر دیا اور بعض نے کہا کہ وہ تابع اعتقادات ہیں۔

۲۔ یونانی فلسفہ کا عہد زریں:۔ سوفسطائیوں کے ادعائے ہمہ دانی کے ردّعمل کے نتیجہ میں سقراط نے اپنی توجہّ معمائے کائنات کے سلجھانے کے بجائے بقول مسعودی نفس انسانی کی اصلاح پر مرکوز کر دی۔ سقراط کا شاگرد رشید افلاطون تھا جو اُس کی وفات پر سسلی چلا گیا تھا، وہاں وہ پیروان فیثاغورث کی تعلیمات سے متاثر ہوا۔ فیثاغورث "اعداد" کو اصل کائنات قرار دیتا تھا۔ افلاطون کی مادیت بیزاری نے نئے استاد کی تقلید میں "تصوّرات کلیہ" (Ideas) کو اصل قرار

---

5. "Anaxagoras has recourse to an intelligent principle, a mind or nous, a world-ordering spirit, ——————— the free source of all movement and life in the world: it knows all things, past, present and future ——— ——— it rules over all that has life, both great and small."

(Thilly: History of Philosophy, P. 32)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا جو آگے چل کر "امثال افلاطونی" اور "اعیان ثابتہ" کے نام سے موسوم ہوئے۔

افلاطون کا شاگرد ارسطو تھا۔ وہ استاد کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسند تھا۔ مگر "مبدءِ اوّلین" کی تلاش کی روش عام سے وہ بھی انحراف نہ کر سکا۔ اس نے ایک کے بجائے دو مبدؤں کے نظریہ کو پیش کیا؛ یعنی ہیولی اور صورت [اور ان کا تلازم]

[شیخ (بوعلی سینا) نے بھی ارسطو کی طرح افلاطون کے "نظریہ اعیان ثابتہ" سے اختلاف کیا۔ اس کے برعکس ارسطو کے ہیولی وصورت اور ان کے تلازم کے نظریہ کو اپنی طبیعیات کی اساس قرار دیا۔ مگر اس نظریہ کی بنیاد مشرقی (ہندوستانی) فلسفیانہ نظاموں کے "تصوّر سالمات" (Atomic Hypothesis) پر رکھی]

ارسطو نے خدا کے تصوّر پر بھی زور دیا تھا، جسے وہ "محرک اوّل" (Prime Mover) قرار دیتا تھا۔ مگر خدا کا ارسطاطالیسی تصوّر مذاہب کی مشترکہ تعلیم سے مختلف ہے [اس لئے شیخ نے بھی اس فلسفیانہ تصوّر کی تجدید و تتمیم معتزلہ اور باطنی فرقوں کی تعلیم کی مدد سے کی]

۳۔ بعد ارسطاطالیسی دَور:۔ اس دَور میں بھی افلاطون اور ارسطو کی تعلیمات جاری رہیں۔ مگر ان کے علاوہ تین نئی تحریکوں کا اور اضافہ ہوا:۔

ا۔ اقادیمیائے افلاطون اور پیروان ارسطو (مشائیہ) کے فلسفیانہ نظاموں کی ادعائیت نے پھر سے "ارتیابیت" کو جنم دیا جس کا بڑا علمبردار پرہو (Pyrrho) تھا۔

ب۔ اس ارتیابیت نے معمائے کائنات کی گتھی کو سلجھانے سے مایوس ہو کر، بقول خواجہ حافظ

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو   کہ کس نکشود و نکشائد بحکمت ایں معما را

ابیقورس (Epicurus) کے یہاں "لذتیت" (Hedonism) کی شکل اختیار کر لی۔

ج۔ "لذتیت" کے ردّعمل کے طور پر ایک تیسرے گروہ میں اخلاقی تقشّف پیدا ہوا۔ یہ فرقہ رواقیہ (Stoics) تھا۔ اس کے ساتھ انھوں نے "وحدیت وجود" (Monism) میں اتنا مبالغہ کیا کہ کائنات کو عین الہٰ تصوّر کر لیا۔ رواقیہ کی "وحدیت وجود" نے متصوفین اسلام بالخصوص ابن سینا کی "وحدت الوجود" (Pantheism) کو متاثر کیا۔

۴۔ یونانی فلسفہ کا عہد آخر:۔ لیکن تفکر پسند طبقہ بعد ارسطاطالیسی دَور کی فکری سرگرمیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مطمئن نہ تھا۔ پرہو اور اس کے جانشینوں کی تشکیک، اس طبقہ کی آرزوئے عرفان وحقیقت رسی کا استیصال نہ کرسکی، نہ ابیقورس کی میکانکیت خلاق کائنات کے متعلق اس کے جذبہ تلاش وجستجو کو دبا سکی اور نہ وہ رواقیہ کی تقلید میں خود کو "ارادہ کلیہ" (Universal will) کی رضا کے ساتھ راضی بنا سکا تھے۔ خود روح عصر کے سینہ میں "توجہ الی المعبود" کا جذبہ انگڑائیاں لے رہا تھا۔

اس لئے ایک گروہ نے اسے مشرقی ادیان، بالخصوص یہودیت میں تلاش کیا اور توریت کی تعلیم کو افلاطونی فلسفہ کی روشنی میں پیش کرنا چاہا۔ یہ "یونانی۔یہودی" فلسفہ تھا جس کا علمبردار فائلو (Philo) تھا۔

دوسرے گروہ نے "فیثاغورثی سریات" (Pythagorian mysteries) کی اساس پر ایک عالمی مذہب کی تعبیر کی کوشش کی۔ یہ "نوفیثاغورثیت" (Neo-Pythagorianism) ہے۔

تیسرے گروہ نے "افلاطونی" تعلیمات کو مذہبی فلسفہ کی شکل میں مرتب کرنا چاہا۔ اس تجدید "افلاطونیت" کا نام "نوفلاطونیت" (Neo-Platonism) تھا۔

موخر الذکر کے یہاں فائلو کی طرح "تشبیہ" و "تجسیم" (Anthroponorphism) کے

---

6. "Some temperament found it impossible to look upon the worl as a mechanical inter play of atoms and to cease from troubling about G Nor were they able, by silencing their yearnings and resigning themselves t the universal will, to find peace and power within their own pure hearts. And inspite of the scepticism they did not succeed in rooting out the desire certain knowledge of God."

(Thilly : History of Philosophy, P. 1

7 "The feeling of estrangement from God, the yearning for a higl revelation is characteristic of the last centuries of the old world."

(Ibid : Pp. 108-109)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ردعمل نے "تنزیہہ مفرط" کی شکل اختیار کرلی جو "تعطیل" کا دوسرا نام ہے اور اس طرح ان لوگوں کو قومی مذہب (یونانی دیومالا) کی مدافعت کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا، چنانچہ متاخر نوفلاطونی فلاسفہ کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ

"یہ فلسفی متعدد دیوتاؤں کی پرستش کے آخری حامی تھے. لیکن تکثیر نے ان کے ہاں فلسفیانہ توجیہ اختیار کرلی تھی "ث

اس "نوفلاطونیت" کو بعد میں "اثولوجیا" نامی کتاب میں مرتب کیا گیا، جس نے فلاسفہ اسلام بالخصوص شیخ بوعلی سینا کو بہت زیادہ متاثر کیا. خود شیخ نے اس کتاب کی شرح لکھی تھی تفصیل آگے آرہی ہے.

دورِ عبوری

ادھر مسیحیت مبعوث ہوچکی تھی اور اس کے اندر رومن تجبر کو اپنی موت نظر آرہی تھی۔ اس لئے اس نے وثنی فلسفہ کے ساتھ مل کر اسے اس وقت تک مورد جور وستم بنایا، جب تک کہ اس (مسیحیت) کے خول میں یونانی، مصری " وثنیت" کی روح حلول نہ کرگئی. اس کے بعد جابرۂ روم نے اس نام نہاد مسیحیت کے ساتھ مفاہمت کرکے اسے "مملکتی مذہب" اور خود کو اس کا حامی اعظم بنالیا.

مسیحیت نے مملکتی مذہب بن کر قدیم بت پرستی کے ساتھ وثنی فلسفہ کے استیصال میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کیا. لیکن اتنے میں خود عیسائیوں کے اندر فرقہ بندی شروع ہوگئی. ان میں "نسطوری" فرقہ اپنے موقف کی تائید کے لئے ارسطاطالیسی منطق سے کام لیتا تھا. بعد میں ان کے مخالفین یعنی "یعاقبہ" (Monophysites) نے بھی اس حربہ سے کام لیا. مگر اس فرقہ وارانہ جنگ میں "نسطوریت" کو شکست ہوئی اور وہ رومن امپائر سے مایوس ہوکر ساسانیوں کی مجوسی حکومت میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی. نساطرہ اپنے مذہب کے ساتھ ایران میں ارسطو کا منطق و فلسفہ بھی لیتے گئے. اس سے وہاں فلسفہ وحکمت کی بڑی گرم بازاری ہوئی. اس نئی تحریک سے سب سے زیادہ فائدہ "دبیران" (اہل دفاتر) نے اٹھایا جو عہد اسلام کے "طبقۂ کتاب" کے پیش رو تھے.۹

نساطرہ نے ایران میں اپنے مدارس قائم کئے، بالخصوص الرہا (Edessa) کے مدرسہ کے

ث ولہلم بنیسل: مختصر تاریخ فلسفۂ یونان صفحہ ۲۴ - ۹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متا بن نصیبین کا مدرسہ۔ بعد میں وہ جندی سابور کے مدرسہ پر بھی قابض ہو گئے، جو مشرق میں طب کی تعلیم کا خاص مرکز تھا۔

لیکن عیسائیوں کے جور و تعدی کے باوجود "یونانی وثنی فلسفہ" نے کسی نہ کسی طرح خود کو باقی رکھا: اسکندریہ کے اندر مشائی فلاسفہ کی ایک شاخ آخر تک کام کرتی رہی۔ اس کا صدر سنہ ۳۱ ق م میں جبکہ قیصر اوغسطس نے مصر پر حملہ کیا تھا، اندرونیقوس (Andronicus) تھا اس نے اوغسطس کے حکم سے ارسطو کی تصانیف کا "معیاری ایڈیشن" تیار کیا۔ مگر جب مسیحیت مملکتی مذہب بن گئی تو اس مدرسہ کو اپنا وجود باقی رکھنا دوبھر ہو گیا۔ پھر بھی بقول فارابی، یہ ادارہ کسی نہ کسی طرح اس کے زمانہ تک زندہ رہا۔[10]

غرض بعثت اسلام کے وقت یونانی فلسفہ کے تین گہوارے تھے:۔ خالص حکیمانہ گہوارہ، اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ تھا۔ مذہبی گہوارہ جندی سابور کا مدرسہ تھا۔ اور ثقافتی گہوارہ ساسانی سلطنت کے اہل دفاتر (طبقہ دبیران) میں تھا۔

فلسفہ عہد اسلام میں

بعثت اسلام کے بعد انہیں تین راستوں سے فلسفہ اسلامی ثقافت میں داخل ہوا:۔

مسلمانوں نے بھی حکومت کی تنظیم میں "طبقہ کتاب" کو خصوصی اہمیت دی جو تفنن طبع کے طور پر تفلسف پسند واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے عربی ادب کو فلسفیانہ اسالیب فکر سے روشناس کرایا۔ ان کا گل سر سبد عبداللہ بن المقفع تھا، جس نے پہلی مرتبہ ارسطا طالیسی منطق کا عربی میں ترجمہ کیا۔

پھر جب عباسی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے علم و حکمت کی ترقی پر خاص توجہ دی اور جندی سابور کے اطباء کو بلا کر یونانی طب کی کتابوں کے ساتھ دیگر علوم کا بھی عربی میں ترجمہ کرایا۔ ان مترجمین میں سب سے مشہور حنین بن اسحاق تھا، جو عہد اسلام کے "چار حاذق مترجمین" میں سے ایک ہے[11]

انہیں سرکاری مترجمین کے زمرے میں کندی اور اس کے شاگرد احمد بن الطیب السرخسی اور ابوزید بلخی وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔

---

[10] طبقات الاطباء لابن ابی اُصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۱۳۴-۱۳۵ - [11] ایضاً جلد اوّل صفحہ ۲۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونانی فلسفہ کا حکیمانہ گہوارہ (اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ) حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت (۹۹-۱۰۱ھ) تک اسکندریہ ہی میں برقرار رہا۔ بعد ازاں انطاکیہ میں منتقل ہو گیا۔ آخر کار وہاں سے بھی متوکل علی اللہ (۲۳۲-۲۴۷ھ) کے زمانہ میں حران پہنچا اور جب الخلال خلافت سے دینی گرفت ڈھیلی ہونے لگی تو معتضد باللہ (۲۷۹-۲۸۹ھ) کے عہد میں کھلے بندوں بغداد میں داخل ہوا [12]۔ اس گہوارے کا گل سر سبد ابو نصر فارابی (۲۵۹-۳۳۹ھ) تھا جو بقول قاضی صاعد اندلسی "فیلسوف المسلمین بالحقیقۃ" کا مصداق ہے [13]۔ فارابی کا شاگرد یحییٰ بن عدی اور موخر الذکر کا شاگرد ابو سلیمان سجستانی تھا جس کے مکان پر علم و ادب کے شائقین اور فلسفہ کے ماہرین کا مجمع لگا رہتا تھا۔

اسماعیلیت اور فلسفہ کا فروغ

معتضد ہی کے زمانہ میں اسماعیلی تحریک ظہور میں آئی۔ اس تحریک کا مقصد اسلام اور عرب حکومت کی بیخ کنی اور ان کی جگہ مجوسیت اور ایرانی سلطنت کا احیاء تھا [15]۔ مگر اس نے خود کو پائیدار اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اپنی اساس فلسفہ پر قائم کی تھی [16]۔ چنانچہ اس تحریک کے اولین بانی خود فلسفہ اور نجوم کے ماہر تھے [17] اور اپنے دعاۃ کو فلسفہ اور دیگر علوم حکمیہ کی خاص طور سے تعلیم دیتے تھے [18]۔ پھر یہ دعاۃ اپنے متبعین کو دعوت کی آخری منازل میں یونانی فلسفہ سے آشنا بنانے کے لئے خصوصیت سے تلقین کیا کرتے تھے [19]۔ اس طرح "اسماعیلیت" فلسفہ کا دوسرا نام تھی۔

---

[12] التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۱۲۲۔ [13] طبقات الامم صفحہ ۸۳ (مطبع السعادۃ مصر)

[14] اخبار العلماء باخبار الحکماء للقفطی صفحہ ۱۸۵-۱۸۶

[15] الفرق بین الفرق لعبد القاہر البغدادی صفحہ ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۷ والتبصیر فی الدین للاسفرائنی الملل صفحہ ۱۲۴۔

[16] الفرق بین الفرق صفحہ ۲۷۸، قواعد عقائد آل محمد للدیلمی صفحہ ۳۱ الملل والنحل للشہرستانی جلد اول صفحہ ۹۰

[17] الفہرست لابن الندیم صفحہ ۲۶۷، کشف اسرار الباطنیہ صفحہ ۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۲۰۰

[18] مقدمہ کشف الاسرار الباطنیہ للشیخ زاہد الکوثری صفحہ ۱۸۹

[19] الخطط للمقریزی جلد ثانی صفحہ ۲۲۲-۲۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسماعیلیت نے "تطہیر شریعت" کے نام سے مذہب اور فلسفہ کی تطبیق کی بھی کوشش کی تھی اور اس کے نتیجہ میں ایک فلسفیانہ قاموس "اخوان الصفا" کے نام سے مرتب کی تھی، جو اُن کے متبعین میں کتاب مقدس کی طرح مذاکرہ کا موضوع رہتی تھی۔

عقلیت پسند حضرات ان رسائل سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انہیں میں شیخ بوعلی سینا کا خاندان بھی تھا، جس کے افراد اپنے فرصت کے لمحات میں اس کتاب کے مندرجات، نیز دوسرے فلسفیانہ مسائل پر تبادلۂ خیالات کیا کرتے تھے۔

(۲) شیخ بوعلی سینا

شیخ اپنے وقت کا عبقری اعظم تھا: سرعت تعلّم، خود آموزی اور ابتکار فکر جو عبقریت کے اہم عناصر ہیں، اس کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔

بچپن اور تعلیم

شیخ علی اصح الاقوال ۳۷۰ھ میں پیدا ہوا[۲۰]۔ چھ سال کی عمر تھی کہ مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ چار سال میں اس نے قرآن حکیم ختم کر لیا۔ اس کے ساتھ عربی ادب میں بھی اتنا درک بہم پہنچا لیا کہ لوگ اس کی قابلیت پر تعجب کیا کرتے تھے[۲۱]۔ اس کے بعد اس نے پھر کبھی عربی ادب کا عربی ادب کی حیثیت سے مطالعہ نہیں کیا۔ مگر اتنی ہی قلیل مدّت میں وہ دستگاہ عالی حاصل کر لی کہ بوقت ضرورت عربی ادب کے اساطین کے انداز نگارش کو اپنا سکتا تھا[۲۲]۔

اس کے بعد اسے تین فن شروع کرائے گئے؛

ا۔ شیخ کے والد اور بھائی اسماعیلی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر رسائل "اخوان الصفا" کا مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ ان کے ایماء سے شیخ نے بھی ان کا مطالعہ شروع کیا۔ مگر اس نے ان پر تنقیدی نظر ڈالی کیونکہ ہر چند اس کے باپ اور بھائی اسے اسماعیلیت کی کورانہ تقلید کی دعوت دیتے تھے، لیکن اس نے اس میں سے صرف اسی قدر قبول کیا جتنا مناسب سمجھا، باقی کو چھوڑ دیا۔

---

[۲۰] تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی صفحہ ۳۹۔ [۲۱] طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۲
[۲۲] ایضاً صفحہ ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب۔ فلسفہ کے علاوہ شیخ کے لئے ریاضی و ہندسہ کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس زمانہ میں بخارا کے اندر محمود المساح نامی ایک بقال حساب، ہندسہ اور الجبر والمقابلہ کا ماہر تھا۔ شیخ کو اس کے یہاں ان علوم کی تحصیل کے لئے بھیجا گیا[۲۳]۔

ج۔ مگر اس زمانہ کا خصوصی علم فقہ تھا۔ اس وقت بخارا کے اندر ایک بڑے فقیہ تھے، جن کا نام اسماعیل الزاہد تھا۔ شیخ ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ انھیں سے اس نے فقہ و خلافیات و جدل کی تعلیم حاصل کی[۲۴]۔ شیخ کی عبقریت کی تشکیل میں اسماعیل الزاہد کے تلمذ نے خاص طور سے حصّہ لیا ہے، کیونکہ ان کے فیض تربیت سے وہ منطق و معقولات پڑھے بغیر منطقی و معقولی ہو گیا اور ان کے یہاں اس نے جدلیات و آداب مناظرہ میں جو مہارت حاصل کی، اس نے اس کے اندر غیر معمولی سرعت کے ساتھ علوم عقلیہ کو اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی ہے۔

اسی زمانہ میں مشہور اسماعیلی داعی ابوعبداللہ الناتلی بخارا آیا، جسے شیخ کے باپ نے اپنے ہی گھر میں مہمان رکھا۔ شیخ نے پہلے الناتلی سے "ایساغوجی" شروع کی۔ اس کے بعد منطق کی اور کتابیں پڑھیں۔ مگر الناتلی کا علم ظواہر منطق تک محدود تھا۔ دقائق فن کی اسے ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ منطق کے بعد ہندسہ شروع کیا۔ مگر "اصول اقلیدس" کی پانچ چھ شکلیں پڑھنے کے بعد اس کا درس ختم کر دیا اور خود سے مطالعہ کرنا شروع کیا۔ "اصول اقلیدس" کے بعد "متوسطات" میں سے "معطیات" (Data) اور مخروطات (Conics) کی نوبت آئی۔ ان کا بھی شیخ نے خود ہی مطالعہ کیا۔ اب ہیئت کے اندر "المجسطی" شروع ہوئی۔ مگر مقالہ اولیٰ میں سے صرف مقدمات اور کچھ اشکال ہندسیہ پڑھیں، باقی کتاب خود سے حل کی۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ "المجسطی" کے بہت سے مغلق مقامات خود شیخ استاد کو سمجھاتا[۲۵]۔

ریاضیات کے بعد طبیعیات و الٰہیات کی نوبت آنے والی تھی کہ الناتلی یکایک بخارا چھوڑ کر جرجانیہ چلا گیا[۲۶]۔ اور شیخ نے بغیر کسی استاد کی مدد کے محض شروح و نصوص کے ذریعہ ان علوم کا مطالعہ کیا[۲۷]۔

۲۳۔ تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی صفحہ ۴۰

۲۴۔ طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۲-۳

۲۵۔ ایضاً صفحہ ۳

۲۶۔ سرگزشت ابن سینا مرتبہ آقائے سعید نفیسی صفحہ ۲

۲۷۔ طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی زمانہ میں طب کا شوق ہوا اور صرف کتابوں کی مدد سے قلیل ترین مدت میں اُس نے اس فن کے اندر یہ دستگاہ بہم پہنچائی کہ فضلائے طب بھی اس کی نوعمری کے باوجود اس سے استفادہ کرتے تھے[۲۸] اس وقت شیخ کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اب اس نے جو کچھ پڑھا تھا، اُس پر مجتہدانہ نگاہ ڈالی۔ اور آزادانہ تحقیق کے بعد جو بات حق ثابت ہوئی، اسے اپنایا۔ لیکن اس "بے استاد کے شاگرد" کا انداز تحقیق وہ تھا، جو شاندار سطو کا رہا ہو تو رہا ہو، ورنہ متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کا نہیں سنا گیا، چنانچہ خود کہتا ہے :۔

"اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ ڈیڑھ سال تک میں نے کتابوں کے پڑھنے میں انتہائی انہماک سے کام لیا اور منطق وفلسفہ کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں کو دہرایا۔ اس اثناء میں نہ کبھی پوری رات سویا اور نہ کبھی دن میں پڑھنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہوا۔ سامنے اوراق رکھے رہتے تھے، جس دلیل کو مناسب سمجھتا، اس کے مقدمات کو لکھتا اور ان اوراق میں ترتیب دیتا۔ پھر یہ دیکھتا کہ ان میں سے کس قسم کا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے اور میں اس کے مقدمات کی شرائط کو ملحوظ رکھتا۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ میں اصل حقیقت متحقق ہو جاتی"[۲۹]

ایسے بھی مواقع آتے کہ یہ منطقی کاوش مفید نہ ہوتی اور وہ گرداب حیرت میں پھنس جاتا۔ اس وقت وہ جامع مسجد چلا جاتا اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے تضرع وزاری کرتا، یہاں تک کہ اس پر وہ مغلق مقامات منکشف ہو جاتے۔ انہماک کا یہ عالم تھا کہ سوتے میں بھی دماغ اسی عقدہ کشائی میں مصروف رہتا۔ چنانچہ اکثر معضلات فلسفہ خواب ہی میں حل ہوتے[۳۰] اس کاوش پیہم کا نتیجہ تھا کہ محض شروح ونصوص کی مدد سے اس نے طبیعیات پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ بعد میں مزید اضافہ واصلاح کی ضرورت دامنگیر نہ ہوئی۔ خود لکھتا ہے :۔

"تمام علوم میرے ذہن میں راسخ ہو گئے اور جہاں تک انسان کے امکان میں ہے، میں ان سے واقف ہو گیا۔ جو کچھ مجھے اس وقت علم تھا، اتنا ہی اس وقت علم ہے۔ اس کے بعد سے آج تک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔"[۳۱]

---

[۲۸] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۲

[۲۹] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

[۳۰] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

[۳۱] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن "الٰہیات" (Metaphysics) کی تحصیل میں بڑی دقت ہوئی، کیونکہ اس کا کوئی خلاصہ یا تعارف موجود نہ تھا۔ یوں بھی یہ کتاب عسیر الفہم ہے۔ شیخ نے اسے چالیس مرتبہ پڑھا تھا حتیٰ کہ کتاب حفظ ہو گئی مگر پلّے کچھ نہ پڑا۔ آخر وہ اس علم کے حصول سے مایوس ہو گیا۔ لیکن خوش قسمتی سے ایک دن بازار میں فارابی کی "اغراض مابعد الطبیعہ" مل گئی۔ جب اسے گھر لا کر پڑھا، تو کتاب تو حفظ تھی، پورا فن مابعد الطبیعیات فوراً پانی ہو گیا۔[۳۲]

غرض ابتدائی تعلیم کے علاوہ جو کچھ شیخ نے حاصل کیا، وہ ذاتی مطالعہ اور "خود آموزی" کا نتیجہ تھا۔

درباری زندگی اور مطالعہ کا عہد آخر

اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ ایک طبیب کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اسی زمانہ میں بخارا کا سامانی تاجدار امیر نوح بن منصور بیمار پڑا۔ شیخ بھی معالجہ کے لئے طلب کیا گیا۔ امیر کے صحت یاب ہونے پر شیخ نے اس سے بخارا کے مشہور کتب خانہ کو دیکھنے کی اجازت چاہی جو جلد ہی مل گئی۔ اس مشہور کتب خانہ سے شیخ نے دل کھول کر استفادہ کیا۔[۳۳] (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔)

یہ اس کے تحصیل علم کا آخر تھا۔ اس کے بعد اس نے حصول علم کی تجدید نہیں کی۔ خود کہتا ہے کہ اس وقت میری عمر اٹھارہ سال تھی اور میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گیا۔ اس وقت مجھے یہ علوم زیادہ مستحضر تھے اور اب وہ زیادہ پختہ ہو چکے ہیں، ورنہ میرا علمی سرمایہ وہی ہے۔ اس میں کوئی نیا اضافہ نہیں ہوا۔[۳۴]

جوانی اور انقلابی سرگرمیاں

اس کے بعد وہ تقریباً تین سال اور بخارا میں رہا۔ اس عرصہ میں کچھ دن سرکاری ملازمت بھی کی۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رہا۔ مگر یہ بڑا ہی پر آشوب زمانہ تھا۔ اسماعیلیہ مصر کے دعاۃ نے پورے اسلامی مشرق میں انقلابی سازشوں کے جال بچھا رکھے تھے۔ مشرقی سرحد پر ملتان میں قرامطہ بنو منبہ کے قدیم خاندان کے بجائے اپنا اقتدار قائم کر چکے تھے۔ ان کا دوسرا گڑھ خوارزم تھا۔ ماوراء النہر اور

---

[۳۲] سرگذشت ابن سینا صفحہ ۳-۴ و تتمہ صوان الحکمۃ صفحہ ۱۶-۱۷

[۳۳] تتمہ صوان الحکمہ صفحہ ۲۴ سرگذشت ابن سینا صفحہ ۴-۵۔ [۳۴] سرگذشت ابن سینا صفحہ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خراسان کی درباری سیاست پر بھی ان کا اثر تھا اور اسی کے نتیجہ میں سامانی حکومت ختم ہوئی۔ مگر یہاں اسماعیلی اقتدار قائم نہ ہوسکا اور جلد ہی ایلک خان اور محمود غزنوی نے سامانی سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس لئے اسماعیلی سازشی بخارا چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

انھیں میں بوعلی سینا بھی تھا۔ بخارا سے وہ خوارزم پہنچا جو اسماعیلیوں کا مرکز تھا[۳۵] علی بن مامون اور اس کا وزیر ابوالحسین سہلی علوم حکمیہ کے قدر دان تھے۔ ان کی قدر دانی کی وجہ سے خوارزم میں افاضل روزگار جمع ہوگئے تھے جیسے ابوریحان البیرونی اور اس کا استاد ابونصر بن عراق، ابوسہل المسیحی اور ابوالخیر خمار وغیرہ۔

ادھر محمود غزنوی جو ایک فاتح کے ساتھ بیدار مغز مدبّر بھی تھا، خوارزم میں شیخ بوعلی سینا کی انقلابی سرگرمیوں سے بے خبر نہ تھا، اس لئے اس نے ابوالعباس مامون (۴۰۱ھ۔ ۴۰۷ھ) کو جو اس کا بہنوئی بھی تھا اور جو اپنے بھائی علی بن مامون کے بعد تخت خوارزم پر بیٹھا تھا، لکھا کہ ان افاضل کو غزنی بھیج دے۔ البیرونی اور ابونصر بن عراق جانے پر راضی ہوگئے، مگر شیخ اس سے پہلے ہی خوارزم کو چھوڑ کر غیر معروف راستے سے قابوس بن وشمگیر کے پاس جرجان روانہ ہوگیا[۳۶] مگر اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قابوس قتل ہوچکا تھا[۳۷]۔ اس کے جانشین نے محمود سے صلح کرکے اس کی بالادستی تسلیم کرلی۔ ادھر جب بوعلی سینا محمود کو ہاتھ نہ آیا تو اس نے پورے ممالک محروسہ میں اس کی گرفتاری کے لئے اعلان کردیا اور ہر جگہ جاسوس مقرر کردیئے۔

اب شیخ کے لئے جرجان میں آزادی سے رہنا ناممکن ہوگیا۔ لہٰذا مجبوراً یہاں سے رے پہنچا[۳۸] جو مجدالدولہ دیلمی کے زیر حمایت قرامطہ کا ایک اور گڑھ تھا۔ مگر رے پر محمود کے حملے کا اندیشہ تھا، اس لئے وہاں سے نکل کر پہلے قزوین اور پھر ہمدان پہنچا، جہاں فخر الدولہ کا دوسرا بیٹا شمس الدولہ حکمران تھا۔ یہاں اس نے اپنی انقلابی سرگرمیوں کو تیز سے تیز تر کردیا۔ اس سے لشکر اس کا جانی دشمن ہوگیا مگر وہ

---

۳۵ الفرق بین الفرق صفحہ ۱۷۶ ۳۶ چہار مقالہ صفحہ ۷۶-۷۸

۳۷ عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۴

۳۸ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلابی ہی کیا جو عوامی مخالفت کو خاطر میں لائے۔ شیخ نے اپنی انقلابی سرگرمیوں کو اور تیز کر دیا۔ اتنے میں شمس الدولہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا سماء الدولہ تخت نشین ہوا۔ اس عرصہ میں شیخ نے علاء الدولہ ابن کاکو یہ والیٔ اصفہان سے خفیہ خط و کتابت شروع کر دی۔ جب وزیر تاج الملک کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے اسے قلعہ فردجان میں قید کر دیا۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد علاء الدولہ نے حملہ کیا۔ تاج الملک نے شکست کھائی اور وہ بھی قلعہ فردجان میں پناہ لینے پہنچا۔ علاء الدولہ کے واپس چلے جانے پر تاج الملک نے شیخ سے مفاہمت کرنا چاہی مگر خدا جانے شیخ چاہتا کیا تھا۔[۳۹]

بہر حال کچھ دن بعد وہ بھیس بدل کر علاء الدولہ کے پاس اصفہان پہنچا۔ یہاں اس نے آزادی سے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں محمود غزنوی اور علاء الدولہ کے درمیان لڑائیوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ چھڑ گیا۔ محمود کی سطوت و شوکت کے مقابلے میں علاء الدولہ کی ہستی ہی کیا تھی مگر یہ شیخ ہی کا حسنِ تدبر تھا کہ ممولے کو شاہین سے بھڑا دیا اور اس طرح بھڑایا کہ لشکرِ محمودی کے دانت کھٹے کر دیئے۔ یہ شیخ ہی کا کمال تھا کہ علاء الدولہ کو بار بار ہزیمت ہوتی تھی مگر وہ محمود اور اس کے بیٹے مسعود کے حملوں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑتا تھا۔ دنیا بیکونن (Bakunin) اور کروپوٹکین (Kropotkin) کی انقلابی سرگرمیوں کو جانتی ہے مگر ابن سینا کی سرگرمیاں بھی کم خطرناک نہ تھیں۔ ہاں دنیا کے دوسرے نراجیوں کی طرح شیخ کے مافی الضمیر کا بھی پتہ نہ چل سکا کہ آخر وہ چاہتا کیا تھا۔

بہر کیف چالیس سال مسلسل وہ انقلابی سازشوں میں مصروف رہا اور انہیں مصروفیتوں کے درمیان ۴۲۸ھ میں اس نے وفات پائی۔[۴۰]

شیخ کی تصانیف

اگر شیخ کوئی کتاب بھی نہ لکھتا تو چہل سالہ انقلابی سرگرمیوں کی تنظیم ہی اس کا غیر معمولی کارنامہ ہوتی۔ مگر وہ کثیر التعداد کتابوں کا مصنف بھی ہے (ابن ابی اصیبعہ نے فلسفہ میں اس کی کوئی چھپن

---

[۳۹] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۶
[۴۰] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابیں گنائی ہیں۔ مگر یہ فہرست جامع اور مکمل نہیں ہے) ان میں سے اکثر فلسفہ اور طب کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی ہیں، جیسے شفا، اشارات اور قانون۔

لیکن تاریخ کے اس اعجوبہ پر مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ فلسفہ و طب کے یہ نادر شاہکار اس عالم میں لکھے گئے جبکہ ان کے مصنف کو ایک لمحہ کے لئے بھی سکون میسّر نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خطرات میں گھر کر اس کی ذہانت و ذکاوت تیز سے تیز تر ہو جاتی تھی اور اس کی طبع وقّاد کی حدّت و درّاکی کا ظہور علم و حکمت کے ان جواہر پاروں کی شکل میں ہوتا تھا۔

تصنیفی زندگی کا آغاز

شیخ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ۳۹۱ھ سے ہوتا ہے، جبکہ اس نے ابوالحسین عروضی کے ایما پر "الحکمۃ العروضیہ" اور ابوبکر البرقی کی فرمائش پر "کتاب الحاصل والمحصول" اور "کتاب البر والاثم" لکھی تھیں [۱] اور یہی وہ زمانہ تھا جبکہ بخارا عبدالملک بن نوح کے وارث المنتصر کی حرکت مذبوحانہ کا منظر بنا ہوا تھا، جسے اسماعیلیوں کی تائید حاصل تھی، کیونکہ انھیں اس کی وقتی کامیابی میں اپنی کامیابی نظر آ رہی تھی۔ اس سازش کے سرگرم کارکنوں میں شیخ بھی تھا اور انقلابی منصوبہ کی ناکامی کے بعد فوراً اسے بخارا چھوڑ کر کرکانج (جرجانیہ خوارزم) جانا پڑا [۲] جو مشرق میں اسماعیلی تحریک کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

کرکانج میں شیخ تقریباً بارہ سال رہا۔ تصنیفی مشغلہ وہاں بھی جاری رکھا اور بعض کتابیں بھی تصنیف کیں جیسے "کتاب التدارک لانواع خطاء التدبیر" "قصیدہ مزدوجہ فی المنطق" "کتاب قیام الارض فی وسط السماء" [۳] وغیرہ۔ یہ کتابیں بھی اعلیٰ پایہ کی ہیں، مگر اس پایہ کی نہیں ہیں، جس پایہ کی شفا، اشارات وغیرہ ہیں۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے: یہ اُس زمانہ میں لکھی گئیں جبکہ شیخ کو سکون نفس و طمانیت قلب حاصل تھا۔

خطرات اور شاہکاروں کی تصنیف کی ابتدا

کرکانج سے شیخ جرجان گیا۔ مگر وہاں سکون خاطر ناپید تھا۔ محمود کے جاسوس پھر رہے تھے اور ہر لمحہ

---

[۱] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۵

[۲] طبقات الاطباء، لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۴ و الفرق بین الفرق

[۳] " " " " صفحہ ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرفتاری کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ لیکن خطرات نے اس کی عبقریت کو ابھار دیا تھا، چنانچہ یہاں اس نے اکثر کتابیں لکھیں۔ اس کا شاگرد ابو عبید الجوزجانی لکھتا ہے :۔

"وصنف ھناک کتبا" کثیرۃ کاول القانون ومختصر المجسطی وکثیرا "من الرسائل"۔ ؎۴۴

لیکن سب سے زیادہ پر آشوب زمانہ شیخ کی زندگی میں اس کا قیام ہمدان ہے، جبکہ وہ وقت کی نہایت اہم اور خطرناک سیاسی اور انقلابی تحریکوں کی تنظیم میں مشغول تھا۔ مگر انقلابی صلاحیتوں کے ساتھ قسّام ازل کی طرف سے اسے غیر معمولی فکری صلاحیتیں بھی ملی تھیں، جن سے وہ انقلابی ہنگاموں کے زمانہ میں بھی برابر کام لیتا رہا۔ اسی پُر آشوب زمانہ میں اس نے "کتاب الشفا" کو تصنیف کرنا شروع کیا، حالانکہ یہ وہ وقت ہے کہ جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، مخالفین اسے مروانے کی فکر میں ہیں اور وہ ادھر اُدھر بھاگتا پھر رہا ہے۔ مگر فکری صلاحیتیں ہیں کہ برابر اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اور اس اختلال وانتشار کے باوجود اس کی عبقریت ایک مستقل نظام فکر کی تنظیم میں مصروف ہے۔ ابو عبید جوزجانی لکھتا ہے :۔

"پھر شمس الدولہ کو عنان سے لڑنے کے لئے قرمیسین جانا پڑا۔ شیخ بھی اس کے ہمرکاب تھا، مگر شمس الدولہ کو شکست ہوئی اور وہ ہمدان لوٹ کر آیا۔ امراء دربار نے شیخ سے وزارت قبول کرنے کی درخواست کی اور اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ لیکن بعد میں لشکر اُس کے خلاف ہو گیا۔ کیونکہ انھیں اس کی طرف سے اپنی جان کے اندیشے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اُس کا مکان توڑ ڈالا، شیخ کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا اور گھر کے مال و متاع کو لوٹ لیا۔ انھوں نے شمس الدولہ سے اس کے قتل کا مطالبہ بھی کیا، لیکن اس نے اس مطالبہ کو نامنظور کر دیا۔ البتہ ان کی خوشنودی کے لئے اسے جلا وطن کر دیا۔ لیکن شیخ وہیں ابی سعد دخدوک کے مکان میں چھپا رہا۔ چالیس دن گزر گئے۔ اتنے میں شمس الدولہ پر قولنج نے پھر حملہ کیا۔ اس نے شیخ کو بلا کر اس سے بہت زیادہ عذر معذرت کی۔ شیخ نے بھی بڑے انہماک سے اس کا علاج کیا اور عزت واحترام کے ساتھ رہنے لگا۔ قلمدانِ وزارت بھی دوبارہ اسے تفویض کیا گیا۔

پھر میں نے شیخ سے ارسطوطالیس کی کتابوں کی شرح لکھنے کی درخواست کی تو اس نے کہا :

؎۴۴ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت اتنی فرصت نہیں ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں اس سلسلے میں ایک کتاب تصنیف کر سکتا ہوں جس میں علوم فلسفیہ کے باب میں مجھے جو کچھ صحیح معلوم ہوتا ہے' بغیر مخالفین کے اقوال سے تعرض کئے، یا ان کی تردید کئے تحریر کردوں گا۔ میں اس کے لئے راضی ہوگیا تو شیخ نے کتاب الشفا کے حصہ طبیعیات کی ابتدا کی" ۔۴۵

اس طرح "شفا" کا افتتاح ہوا۔ کچھ دن سکون سے گزرے، مگر شیخ کی ہنگامہ پسند طبیعت کہیں نچلی بیٹھ سکتی تھی، پھر انقلاب کی تیاریاں کرنے لگی۔ لیکن اس کی انقلابی ہنگامہ زائیاں اس کی فکری صلاحیتوں کی کارفرمائی کو مزید شہ دیتی تھیں، کیونکہ اسی پر آشوب زمانہ میں جبکہ دشمنوں کے خوف سے وہ ایک عقیدت مند کے مکان میں چھپا بیٹھا تھا، اس نے "شفاء" کے جزء طبیعیات والٰہیات کے بیشتر حصہ کو مکمل کیا۔ ابو عبید جوزجانی آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"کچھ دن اس بات کو گزرے تھے کہ شمس الدولہ نے والی طارم سے جنگ کرنے کے لئے وہاں کا قصد کیا۔ مگر طارم پہنچنے سے کچھ ہی پہلے تو لنج نے پھر آگھیرا۔ مرض نے شدت اختیار کی۔ اس کے ساتھ اور امراض بھی جو زیادہ تر اس کی بد پرہیزی کا نتیجہ تھے، لاحق ہوگئے۔ لشکر اس کی وفات کے اندیشہ سے اسے لے کر ہمدان کی طرف لوٹا۔ مگر راستہ میں جس پنگوڑھے کے اندر اسے لا رہے تھے، اسی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے سے بیعت کی اور شیخ سے پھر قلمدانِ وزارت قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس عرصہ میں وہ ابی غالب عطار کے مکان میں چھپا رہا۔

یہاں میں نے اس سے کتاب الشفا کی تکمیل کی درخواست کی تو اس نے میزبان ابو غالب کو بلا کر اس سے کاغذ اور روشنائی وغیرہ منگائے اور اپنے قلم سے مسائل فلسفیہ کے عنوانوں کو کوئی بیس اجزاء میں لکھا۔ اس وقت نہ تو کوئی کتاب تھی اور نہ کوئی پہلے کی تجویز کی ہوئی فہرست۔ صرف اپنی یادداشت اور حافظہ سے دو دن میں اس فہرست عنوانات کو مرتب کیا پھر یہ اوراق اپنے پاس رکھ لئے۔ اب وہ کاغذ لیتا، ہر مسئلہ کو دیکھتا اور اس کی شرح لکھتا اس

---

۴۵ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح روزانہ پچاس اوراق تحریر کرتا، یہاں تک حصۂ طبیعیات والہیات سوائے کتاب الحیوان اور کتاب النبات کے مکمل کر لیا۔ اب حصۂ منطق کو شروع کیا اور اس کے مسائل پر بھی ایک جزء لکھ لیا۔[۴۶]

اب پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کی سازشوں کا پتہ لگ گیا اور وہ قلعہ فرد جان میں قید کر دیا گیا۔ لیکن اس زمانہ میں بھی جبکہ وہ موت وحیات کی کشمکش میں گرفتار تھا، اس نے "شفا" کے جزء منطق کے علاوہ رسالہ "حی بن یقظان" اور "کتاب القولنج" وغیرہ کو تصنیف کیا۔[۴۷]

یہی حال قانون کا ہے جو آج بھی طب کی "کتاب مقدس" سمجھی جاتی ہے۔ اس کا آغاز جرجان میں ہوا، جہاں ہر لمحہ محمود کے فرستادوں کے ہاتھ گرفتار ہونے کا اندیشہ لگا ہوا تھا اور تکمیل ہمدان میں ہوئی جہاں کا قیام شیخ کی زندگی میں انتہائی خطرات کا زمانہ ہے۔

تصانیف پر ایک نظر

شیخ نے فلسفہ میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے "کتاب الشفا"، "الحکمۃ المشرقیہ" اور "الاشارات والتنبیہات" سب سے زیادہ اہم ہیں۔ چنانچہ بیکن اپنی کتاب (Opus Majus) میں جسے اس نے پوپ کلمنٹ چہارم کے ایماء سے لکھا تھا، کہتا ہے:-

"ارسطو کا فلسفہ یورپ کو متاثر کرنے میں ناکام رہا۔۔۔۔ تا آنکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن سینا، ابن رشد اور دیگر فلاسفہ نے اسے از سر نو دریافت کیا اور اس کی سیر حاصل تشریح و توضیح کی۔۔۔۔ خاص طور پر ابن سینا نے، جو ارسطو کا ناقل اور شارح ہے، اپنے مقدور بھر فلسفہ کو سر حد تکمیل تک پہنچایا اور تین جلدوں میں فلسفہ پر ایک کتاب لکھی جیسا کہ خود اس نے اپنی کتاب الشفا کے مقدمہ میں بتایا ہے۔ ان میں ایک جلد عام فہم اور ارسطاطالیسی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے فلاسفۂ مشائین کے اقوال پر مشتمل تھی اور دوسری فلسفہ کے خالص حقائق پر جو بقول ابن سینا

---

[۴۶] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۸

[۴۷] عیون الانباء جلد ثانی صفحہ ۱۹؛ اسی طرح جب علاؤ الدولہ سابور خواست کی مہم پر جا رہا تھا اور شیخ بھی ہمراہ تھا تو اس نے راستہ میں "کتاب النجاۃ" کو تصنیف کیا جو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن سینا فلسفہ کے وہ حقائق ہیں جو مخالفین کے مطاعن و اعتراضات کی پروا نہیں کرتے۔ تیسری جلد کو ابن سینا نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تصنیف کیا تھا۔ اس جلد میں اس نے پہلی دو جلدوں کے مباحث کی توضیح کی تھی اور فطرت اور فن کے بہت سے مبہم اور مجمل حقائق کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ ان میں سے دو جلدوں کا ترجمہ نہیں ہوا۔ لاطینی بولنے والوں کی صرف پہلی جلد ہی کے کچھ حصوں تک رسائی ہو سکی جسے السِفا اور السَفا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"[48] خود شیخ "کتاب الشفا" کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"ولی کتاب غیر ھذین کتابین اوردت فیه الفلسفة علی ما ھی فی الطبع وعلی ما یوجبه الرائی الصریح الذی لا یراعی فیه جانب الشرکاء فی الصناعة ولا یتقی منهم من شق عصا ھم ما یتقی فی غیره وھو کتابی فی الفلسفة المشرقیة۔ واما ھذا الکتاب فاکثر بسطاً واشد مع الشرکاء من المشائین ومن اراد الحق الذی لا مجمجة فیه فعلیه بطلب ذلك الکتاب ومن اراد الحق علی طریق فیه ترامض ما الی الشرکاء وتبسط کثیر وتلویح بما لو فطن له استغنی عن الکتاب الآخر فعلیه بھذا الکتاب۔"

(اور ان دو کتابوں کے علاوہ میری ایک اور کتاب بھی ہے جس میں میں نے فلسفہ کو اسی طرح پیش کیا ہے جس طرح وہ حقیقت میں ہے اور جس کا رائے صریح تقاضا کرتی ہے جو اپنے ہم پیشہ حریفوں کی جنبہ داری نہیں کرتی اور نہ ان کی مخالفت سے ڈرتی ہے، جس طرح وہ دوسرے معاملات میں ان سے اندیشہ رکھتی ہے۔ اور وہ میری کتاب "فلسفہ مشرقیہ" میں ہے۔ رہی یہ کتاب (شفا) تو اس میں میں نے اپنے مشائی ہم مسلکوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتفاق برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے پس جو شخص کہ اس حق کا طلب گار ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے تو اسے وہ کتاب (الحکمۃ المشرقیہ) تلاش کرنا چاہیئے اور جو شخص حق کا اس طور پر جویا ہے کہ اس میں ساتھیوں کی رضا بھی رہے اور ان کی خوشنودی بھی زیادہ سے زیادہ حاصل رہے۔ ایسی کتاب کہ اس کے بعد اس فن کی دوسری کتابوں سے بے نیاز ہو جائے۔ تو اسے اس کتاب (شفا) کو پڑھنا چاہیئے)

شیخ کی فلسفیانہ عبقریت کے تین شاہکار

غرض شیخ کی فلسفیانہ عبقریت کے تین شاہکار ہیں: شفا، الحکمۃ المشرقیہ اور الاشارات والتنبیہات۔ ان میں سے شفا دنیا کے فلسفیانہ ادب میں کلاسیکی حیثیت رکھتی ہے اور ہرچند کہ وہ مشائی انداز میں لکھی

48. Legacy of Islam P.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے، مگر

۱- یہ ارسطا طالیسی فلسفہ کی تفسیر یا تلخیص نہیں ہے: ابو عبید جوزجانی نے شیخ سے ارسطو کی کتابوں کی شرح و تفسیر کی درخواست کی تھی مگر شیخ نے اس سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ اس کام کے لئے جو فراغ خاطر درکار ہے، وہ عنقا تھا اور بعد کے واقعات نے اس بات کی تصدیق بھی کر دی کیونکہ فلسفہ کا یہ عظیم المرتبت شاہکار اس بے سرو سامانی کے عالم میں مرتب ہوا کہ نہ شیخ کے پاس کوئی کتاب تھی اور نہ اسے یہ سوچنے کی فرصت تھی کہ ارسطو نے کیا کہا اور اسکندر افرودیسی نے اس کی کس طرح تعبیر کی اور ثامسطیوس نے کس انداز سے توجیہ کی۔

۲- اور نہ یہ کتاب (شفا) ارسطو کی کتابوں کی تنقید یا تردید ہے، نہ اس کے نقادوں اور تبصرہ نگاروں پر محاکمہ ہے۔

۳- بلکہ یہ اس کا مستقل نظامِ فکر ہے جیسا کہ اس کے الفاظ

"اورد فیہ ما صح عندی من ھذہ العلوم" [۹۴]۔

سے ظاہر ہے اور شیخ کا یہ مستقل نظام فکر کسی کورانہ تقلید یا معاندانہ تردید کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس کے اپنے ذاتی غور و فکر کا حاصل ہے، جسے اس نے عہدِ جوانی میں مرتب کیا تھا اور جس کی تفصیل میں اس نے لکھا ہے:

"پھر ڈیڑھ سال تک میں نے کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں شدید انہماک سے کام لیا اور میں نے منطق نیز فلسفہ کے دوسرے فنون کی کتابوں کو دہرایا اور اس اثنا میں نہ تو میں کبھی پوری رات سویا اور نہ کبھی دن میں پڑھنے کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوا۔ میرے سامنے اوراق رکھے رہتے تھے۔ پس میں جس دلیل کو مناسب سمجھتا، اس کے مقدمات کو ثابت کرتا اور انھیں اوراق میں ترتیب دیتا۔ پھر یہ دیکھتا کہ ان میں سے کس سے نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے اور اس کے مقدمات کی شرائط کو ملحوظ رکھتا، یہاں تک کہ اس مسئلہ میں اصل حقیقت متحقق ہو جاتی۔ لیکن اگر کبھی کسی مسئلے میں متردد ہو جاتا اور اس کے اندر حد اوسط مجھے نہ ملتی تو جامع مسجد چلا جاتا، وہاں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کرتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مغلق مقامات کو میرے اوپر منکشف کر دیتا۔" [۹۵]

---

[۹۴] میں اس میں ان چیزوں کو بیان کروں گا جو میرے نزدیک ان علوم میں سے صحیح ہیں۔

[۹۵] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح ایک مستقل نظامِ فکر اس کے ذہن میں مرتب ہو چکا تھا، اور یہی وہ وقت تھا کہ اس کی عمر اٹھارہ اور بیس سال کے درمیان تھی اور یہ "نظامِ فکر" جو اُس کی آزادانہ تحقیق و کاوش کا نتیجہ تھا، آخر تک قائم رہا، چنانچہ وہ خود کہتا ہے :-

" وکل ما علمته فی ذلك الوقت فهو کما علمته الآن لم ازدد فیه" [۵۱]

(اور جو کچھ مجھے اس وقت علم تھا، اتنا ہی اِس وقت علم ہے۔ اس کے بعد آج تک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔)

رہی "الہیات" تو اُس نے ارسطو کی "مابعد الطبیعیات" (Metaphysics) کو فارابی کے رسالہ "اغراض مابعد الطبیعہ" کی مدد سے ضرور سمجھا تھا، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلامی فلسفہ میں "الہیات" کا فن شیخ بو علی سینا ہی نے داخل کیا۔ ورنہ اس سے پہلے اس باب میں لوگوں کا اعتماد صرف ارسطو کی "مابعد الطبیعہ" (Metaphysics) پر تھا اور ارسطو کی "مابعد الطبیعہ" شیخ کی "الہیات" کے مقابلے میں بمنزلہ صفر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ نے "الرد علی المنطقیین" میں لکھا ہے :-

" اور ابن سینا نے الہیات و نبوات اور معاد و شرائع کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں، جن کے اندر اُس کے پیشروؤں (یونانی فلاسفہ) نے کوئی کلام نہیں کیا تھا اور نہ ان تک اُن کی عقل کی رسائی ہوئی تھی اور نہ ان کا علم وہاں تک پہنچا تھا۔ ابن سینا نے ان نئے مسائل کو مسلمانوں سے اخذ کیا تھا، اگرچہ اس نے یہ تعلیمات ان ملاحدہ سے حاصل کی تھیں جو اسلام کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ فرقہ اسماعیلیہ۔ اس کے خاندان والے حاکم بامر اللہ فاطمی کے پیروؤں میں سے تھے اور انھوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔" [۵۲]

شیخ کی ان جدتوں کو گنانے کے بعد جن میں وہ اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں منفرد ہے، ابن تیمیہؒ ارسطو کی "مابعد الطبیعہ" سے اس کی الہیات کا موازنہ کرتے ہیں :-

" اور چونکہ ابن سینا نے مسلمانوں کے دین کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کی تھیں اور

---

[۵۱] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

[۵۲] الرد علی المنطقیین ابن تیمیہ صفحہ ۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاحدہ سے نیز ان لوگوں سے جو اُن سے بہتر ہیں جیسے معتزلہ اور رافضہ، بہت کچھ حاصل کیا تھا، اس نے ارادہ کیا کہ جو کچھ اس نے اپنی عقل کی مدد سے ان ملاحدہ وغیرہ سے سیکھا ہے اور جو کچھ اُس نے اپنے پیشروؤں (یونانی فلاسفہ) سے اخذ کیا تھا، دونوں کو آپس میں تطبیق دے۔ پس اُس نے فلسفہ میں ایسے مسائل کے اندر کلام کیا جو اس کے پیشیروؤں کے کلام سے نیز اس کلام سے جو اُس نے اختراع کیا تھا، مرکب ہے: جیسے نبوات اور اسرار آیات و مقامات (عارفین کے ریاضت و مجاہدہ اور ان کے کشف و کرامات وغیرہ) میں کلام۔ یہی نہیں بلکہ طبیعیات اور منطقیات میں بھی اس نے نئے مسائل کا اختراع کیا۔ نیز واجب الوجود اور اس جیسے دیگر مسائل میں بھی نئے انداز سے کلام کیا۔ ورنہ ارسطو اور اس کے متبعین کے یہاں نہ تو واجب الوجود کا ذکر ہے، نہ اُن احکام کا جو واجب الوجود کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں۔ فلاسفہ متقدمین تو صرف "علت اولیٰ" ہی کا ذکر کیا کرتے تھے۔" (الرد علی المنطقیین صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

بہر حال "شفا" شیخ کے ظاہری فلسفیانہ نظام (حکمت بحثیہ) کا مستند ماخذ ہے۔ ہوسکتا ہے (بلکہ واقعہ ہے) کہ اس کتاب میں بہت سی ارسطاطالیسی تعلیمات مذکور ہوں۔ مگر اس سے شیخ کی عبقریت یا کتاب کی عظمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی شیخ نے آزادانہ تحقیق کے بعد تصویب کی تھی۔ اس مستقل آزادانہ تحقیق کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔

اس کے بعد یہ تعلیمات ارسطو یا جانشینان ارسطو کا ورثہ نہیں رہتیں، بلکہ شیخ کے منظم فکری نظام کا جزء بن جاتی ہیں۔

شیخ کی دوسری اہم تصنیف "الحکمۃ المشرقیہ" ہے۔ "شفا" اس نے ظاہر پرستوں کے لئے لکھی تھی مگر "جویائے حقیقت اذہان" کے لئے شیخ نے ایک باطنی فلسفہ مرتب کیا تھا، جسے اُس نے "الحکمۃ المشرقیہ" میں بیان کیا۔ اس کتاب کے بارے میں اس نے "شفا" کے مقدمہ میں لکھا تھا:-

"اوردت فیہ الفلسفۃ علی ما ھی فی الطبع وعلی ما یوجبہ الرائ الصریح الذی لا یراعی فیہ جانب الشرکاء ..... فمن اراد الحق الذی لا مجمجۃ فیہ فعلیہ بطلب ذلک الکتاب

لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب آج ناپید ہے، غالباً اس کا آخری نسخہ ۵۴۶ھ میں جبکہ غوری سلطان علاءالدین جہانسوز نے غزنی پر حملہ کیا تھا، تباہ ہوگیا۔ ابوالحسن بیہقی "تتمہ صوان الحکمہ" میں لکھتا ہے:

"رہی الحکمۃ المشرقیہ اور الحکمۃ العرشیہ تو ان کے بارے میں امام اسماعیل باخرزی نے کہا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردہ غزنی میں سلطان مسعود بن محمود کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔ یہاں تک کہ ملک الجبال سلطان علاء الدین حسین جہانسوز اور غور اور غزنی کے لشکر نے اسے ۵۴۶ھ میں جلا کر تباہ کر دیا۔"[۵۳]

یہ کتاب اسپین تک پہنچ گئی تھی، چنانچہ اندلسی فلسفی ابن طفیل (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنے رسالہ "حی بن یقظان" میں اس کے اسرار کی وضاحت کرنے سے پہلے لکھا ہے :۔

"ابث الیک ما امکننی بثہ من اسرار الحکمۃ المشرقیۃ التی ذکرھا الشیخ الامام الرئیس ابو علی ابن سینا"[۵۴]

(میں حکمۃ مشرقیہ کے اسرار کو جن کا شیخ الامام الرئیس ابو علی ابن سینا نے ذکر کیا ہے، جہاں تک میری مقدرت میں ہے، تمہارے واسطے واضح طور پر بیان کروں گا۔)

اسی طرح ابن رشد بھی "تہافت التہافت" میں اس کتاب کا حوالہ دیتا ہے۔ لیکن جس انداز میں ابن رشد نے (جو شیخ کا مشائی حریف ہے) اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل مشرق (ایرانی و ہندی عرفا) کے فلسفہ پر مشتمل تھی :۔

"وقالوا وانما سماھا فلسفۃ مشرقیۃ لانہا مذہب اہل المشرق"[۵۵]

(لوگوں کا کہنا ہے شیخ ابن سینا نے اس کا نام "فلسفہ مشرقیہ" رکھا تھا کیونکہ یہ اہل مشرق کے فلسفہ پر مشتمل ہے۔)

اسی زمانہ میں شہاب الدین مقتول سہروردی (المتوفی ۵۸۲ھ جو شیخ کا اشراقی حریف تھا) نے "المطارحات" میں اس کا حوالہ دیا :۔

"وبھذا اقترح الشیخ ابو علی ابن سینا فی کراریس نسبھا الی المشرقیین توجد متفرقۃ غیر تامۃ"[۵۶]

---

[۵۳] بیہقی : تتمہ صوان الحکمہ صفحہ ۵۶۔ اسی طرح ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے :۔ "کتاب الحکمۃ المشرقیہ لا یوجد تاماً۔" (طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۹)

[۵۴] ابن طفیل : رسالہ حی بن یقظان۔

[۵۵] تہافت التہافت لابن رشد صفحہ ۱۰۴

[۵۶] شرح حکمۃ الاشراق صفحہ ۵۶ حاشیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اور اسی لئے شیخ بوعلی سینا نے ان اوراق میں جنہیں انھوں نے اہلِ مشرق کی طرف منسوب کیا ہے، اور جو منتشر اور نامکمل حالت میں پائے جاتے ہیں، یہ دعویٰ کیا ہے)

مگر صدرائے شیرازی جنہوں نے "حکمۃ الاشراق" پر تعلیقات لکھی تھیں، شیخ الاشراق کی اس تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" اقول ھذہ الکراریس موجودۃ عندنا "۵۷

(میں کہتا ہوں کہ یہ "اوراق" ہمارے پاس موجود ہیں۔)

بہرحال یہ کتاب آج ناپید ہے ۵۸ البتہ اس کے اس جزء کا ایک مخطوطہ، جو منطق پر مشتمل ہے کتب خانہ

---

۵۷ ایضاً

۵۸ عہد حاضر میں اس کے دو تین مخطوطے بتائے گئے لیکن سب تحقیق کرنے پر غلط ثابت ہوئے:-

ایک مخطوطہ بوڈلیان لائبریری آکسفورڈ میں ہے۔ اس کا عنوان ہے "جزء من الطبیعیات من کتاب الفلسفۃ المشرقیین"۔ محققین نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ "فلسفۂ مشرقیہ" تو نہیں ہے بلکہ یا تو "طبیعیات شفا" کا جزء ہے (جیسا کہ پوزی کا خیال ہے) یا جعلی اور منحول ہے (جیسا کہ اسٹینشنیڈر اور کوفمن کا کہنا ہے)

دوسرا مخطوطہ کتب خانہ ایاصوفیا (استانبول) میں (نمبر ۲۴۰۳) الحکمۃ المشرقیہ)۔ اسٹینشنیڈر نے نے اسے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ "کتاب النجاۃ" قسم کا کوئی رسالہ ہے۔

ایک تیسرا نسخہ ہے جس کا ایک مخطوطہ لندن میں اور دوسرا برٹش میوزیم میں ہے۔ اس پر کوئی عنوان نہیں ہے، بلکہ یہ شیخ کے ان رسائل کا مجموعہ ہے جن کا موضوع تصوف و عرفانیات ہے۔ اس سے پہلے چونکہ عام طور پر یہی خیال تھا کہ الحکمۃ المشرقیہ کا موضوع عرفانی فلسفہ و تصوف ہے، اسی لئے میہرن (Mehren) نے انھیں شیخ کی گم گشتہ "الحکمۃ المشرقیہ" سمجھ لیا اور چونکہ یہ رسائل نہ تو ارسطاطالیسی فلسفہ کی تلخیص ہیں اور نہ اس کی شرح و تفسیر، اس لئے ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ "حکمت مشرقیہ" کا موضوع بھی ان رسائل سے مختلف ہوگا۔ اس غیر صحیح استدلال کے نتیجہ میں انھوں نے عربی میں اس کا عنوان "رسائل فی اسرار الحکمۃ المشرقیہ" لکھ دیا حالانکہ فرانسیسی ترجمہ کا عنوان (Traites mystiques d'Avicenne) ہے بعد میں علامہ اقبال نے میہران کی اس "ایجاد بندہ" کو کالمنزل من السماء سمجھ لیا (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدیویہ مصر (حکمت نمبر۶) میں "کتاب المشرقیین" کے عنوان سے موجود ہے اور قاہرہ سے "المنطق المشرقیین" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مگر پھر بھی اس کتاب کے محتویات کا اندازہ تین کتابوں سے ہو سکتا ہے۔

(ا) ابن طفیل کے رسالہ "حی بن یقظان" سے جو "الاشارات" کے نویں اور دسویں نمط کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔

(ب) "الاشارات والتنبیہات" سے جو "شفا" اور "الحکمۃ المشرقیہ" کا ملخص مخروج ہے، اور

(ج) ابن رشد کی "تہافت التہافت" سے (جو اس نے امام غزالی کی "تہافت الفلاسفہ" کے رد میں لکھی تھی) اس کے اندر ابن رشد نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:۔

"ارسطو نے مبدءِ اوّل کو بطریق حرکت ثابت کیا تھا لیکن شیخ نے اور اس کی تقلید میں اس کے متبعین نے اس استدلال کی تضعیف کی اور اس کے مقابلے میں دوسرا انداز استدلال پیش کیا جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہ قدماء فلاسفہ کے مقابلے میں بہتر ہے۔ قدماء نے حرکت و زمان کے ذریعہ اس کا ثبوت دیا تھا..... لیکن اہل مشرق اجرام سماویہ کی الوہیت کے قائل تھے اور یہی شیخ کا مذہب تھا۔"

لیکن "الحکمۃ المشرقیہ" کا سب سے اہم حصہ وہ تھا جو عارفین و مرتاضین کے ریاضت و مجاہدہ اور ان کے ثمرات سے متعلق تھا[59]۔ یہ امور ارسطو کی "مابعد الطبیعیات" میں تو بالکل نہیں ہیں۔ البتہ ان کے

(صفحہ سابق سے) اور اپنے مقالہ فضیلت "فلسفہ عجم" میں تحریر فرمایا۔

"His works called Eastern Philosophy is still extant in which the Philosopher has expressed his views on the universal operation of the forces of love in nature."

(Iqbal : Development of Metaphysics in Persia, P.32)

حالانکہ "الحکمۃ المشرقیہ" کو خاک سیاہ ہوئے ساڑھے آٹھ سو سال ہونے آ رہے ہیں۔

[59] میرا یہ خیال کہ الحکمۃ المشرقیہ کا اہم حصہ اہل عرفان و مرتاضین کے مقامات پر مشتمل تھا، دو مقدموں پر مبنی ہے (ا) ابن طفیل نے " ان ابث ما امکننی بثہ من اسرار الحکمۃ المشرقیۃ " کے عنوان سے جن اسرار و لطائف کا بیان " حی بن یقظان " میں کیا ہے وہ " الاشارات " کے " النمط التاسع فی مقامات العارفین " کے عین ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اشارے "اثولوجیا" میں پائے جاتے ہیں جو متاخر نوفلاطونی حلقۂ فکر کی تصنیف ہے۔ مگر جس تفصیل سے شیخ نے ان کی توضیح کی ہے، وہ اسی کا حصّہ ہیں۔

شیخ کی تیسری اہم تصنیف "الاشارات والتنبیہات" ہے۔ حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ یہ حکمت میں شیخ کی آخری تصنیف ہے جس کی نشر و اشاعت میں وہ انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا۔[60] اس نے کتاب کے آخر میں اسے نا اہلوں سے بچانے کی بڑے موکد طور پر وصیّت کی ہے:۔

"ایہا الاخ انی قد مخضت لک فی ہذہ الاشارات عن زبدۃ الحق۔۔۔ فصنہ عن الجاہلین والمتبذلین ومن لم یرزق الفطنۃ۔۔۔ او کان من ملحدۃ ہؤلاء المنفلسفۃ ومن ہمجہم"[61]	اے بھائی ان "اشارات" میں میں نے تیرے لئے حقائق کے "زبدہ" (ماحصل) کو نکال کر رکھ دیا ہے۔۔۔ لہذا تو انھیں جاہلوں، مسرفوں اور ان بدبختوں سے بچا جنہیں فطانت نصیب نہیں ہوئی۔۔۔ نیز ان فلاسفہ سے جو ملحد ہیں اور عوام کالانعام ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کے باب میں امام رازی نے لکھا ہے:۔

ہذا الباب اجل ما فی ہذا الکتاب فانہ رتب علوم الصوفیۃ ترتیباً ما سبقہ الیہ من	یہ باب اس کتاب میں سب سے زیادہ اہم اور جلیل المرتبہ ہے کیونکہ شیخ نے اس کے اندر علوم صوفیاء کو ایسی

(صفحہ سابقہ سے) وجہ یہ ہے کہ "الاشارات" خود شفا اور الحکمۃ المشرقیہ کی ممزوج تلخیص ہے۔ اس لئے "حی بن یقظان" میں "الحکمۃ المشرقیہ" کے حوالے سے ان اسرار و لطائف کی شرح و توضیح اس بات کی دلیل ہے کہ "الاشارات" کا یہ نمط "الحکمۃ المشرقیہ" کی تلخیص ہے۔

(۲) "الاشارات" کے نویں اور دسویں انماط کتاب کا بہترین حصّہ ہیں جو شیخ ہی کے ابتکار فکر کا نتیجہ ہیں جیسا کہ امام رازی کے تبصرہ سے جو آگے آرہا ہے، معلوم ہوگا۔

یہ بھی واضح رہے کہ ریاضت و مجاہدہ اور کشف و وجدان اہل مشرق کی حکمت کا امتیازی وصف تھے، جیسا کہ قطب الدین شیرازی نے "شرح حکمۃ الاشراق" میں لکھا ہے:۔

[60] عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۱۹: کتاب الاشارات والتنبیہات وہی آخر ما صنف فی الحکمۃ واجودہ وکان یضن بہا۔

[61] شرح الاشارات للرازی صفحہ ۱۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبلہ ولا لحقہ من بعدہ۔"[۶۲] ترتیب انیق کے ساتھ مرتب کیا ہے جیسی نہ اس سے پہلے کسی نے سبقت کی اور نہ بعد میں کوئی اس معاملہ میں اس تک پہنچا۔

بہرحال یہ کتاب "شفا" اور "الحکمۃ المشرقیہ" کا ملخص ممزوج تھی جیسا کہ بکین نے لکھا ہے :۔

"تیسری جلد (کتاب الاشارات) کو ابن سینا نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تصنیف کیا تھا۔ اس جلد میں اس نے پہلی دو جلدوں کے مباحث کی توضیح کی تھی اور فطرت اور فن کے بہت سے مجمل اور مبہم حقائق کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔"

شیخ کی عبقریت کے عوامل خمسہ

شیخ بوعلی سینا نام نہاد اسلامی فلسفہ کا واضع ہے۔ اس فکری نظام کی تشکیل میں جو ایک ہزار سال سے مشرق میں مستند فلسفہ کی حیثیت سے متداول ہے، پانچ عوامل نے خصوصیت سے حصہ لیا ہے

۱۔ خاندانی ماحول

شیخ ایک اسماعیلی المذہب خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ آنکھ کھولی تو گھر میں باپ اور بھائی کو اسماعیلی فلسفہ کے مذاکرات اور "اخوان الصفا" کے مطالعہ میں مصروف پایا، جو اسماعیلیوں کی تقلید میں علوم ریاضیہ کی اہمیت پر زور دیتے تھے، اور انھیں کے انداز میں "نفس" اور "عقل" کے متعلق بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ لہٰذا قدرتی امر تھا کہ وہ اس نوعمر بچے سے بھی خاندانی مذہب میں راسخ العقیدگی کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ شیخ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے :"میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسماعیلیہ مصر کے داعی کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور ان کا شمار اسماعیلیوں میں ہوتا تھا! انھوں نے اسماعیلیوں کو نفس اور عقل کے متعلق گفتگو کرتے اور عقیدہ رکھتے دیکھا تھا۔ اسی طرح میرے بھائی نے بھی اور اکثر وہ آپس میں مذاکرہ کیا کرتے اور میں سنا کرتا تھا اور جو کچھ بات چیت وہ کرتے تھے میں اسے سمجھتا تو تھا مگر میرا دل اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ انھوں نے مجھے بھی اس نئے مذہب کی دعوت دینا شروع کی اور ان کی زبان پر اکثر فلسفہ، ہندسہ اور حساب الہند کا ذکر رہتا تھا۔"

بیہقی "تتمہ صوان الحکمہ" میں لکھتا ہے : "اور اس کا باپ رسائل اخوان الصفا کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور اس کے مضامین پر غور و فکر کیا کرتا تھا اور شیخ بھی کبھی کبھی اس میں غور و فکر کرتا تھا۔"[۶۴] (باقی)

---

[۶۲] ایضاً صفحہ ۴۴۷۔ [۶۳] سرگزشت ابن سینا صفحہ ۱۔ [۶۴] تتمہ صوان الحکمہ ص ۴۰

© rasailojaraid.com